Lesson 5: Al-Isra (Ayaat 53- 65): Day 18 سُوۡرَةُ بَنِیۡۤ اسرآئیل / الإِسرَاء کی تفسیر

تفسیر پہ جانے سے پہلے ہم آیتوں کا خلاصہ دیکھیں گے۔ بہت ہی اہم سبق ہے۔ آج کے سبق میں جو اہم باتیں ہمارے سامنے آئیں گی،

1۔ سب سے پہلے زبان کا سوچ سمجھ کر استعمال کرنا، اس کو ہم مختلف طریقوں سے دیکھیں گے، عربی میں ایک کہاوت ہے اس کا خلاصہ یہ ہے، تلوار کا گھاؤ تو بھر جاتا ہے لیکن زبان کا گھاؤ نہیں بھرتا۔ اور خاص طور پر جب انسان دین کے کاموں پر آجاتا ہے۔ جب مخلوق کو خالق سے جوڑنے کا کام کرے، تو اس وقت کتنا سوچ سمجھ کر بات کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ہمارے سبق کا آج پہلا موضوع ہے۔ سب سے خاص بات اس میں ہمیں اپنا محاسبہ کرنے کی مدد ملے گی کہ ہماری کوئی بات ایسی تو نہیں ہوتی جس کی چڑ میں آکر لوگ دین کی بات نہیں مانتے۔

2۔ ایک دوسری بات کسی کو جنتی اور جہنمی ہونے کے فتوے تم نہ دو۔ ربُکُم اعلموبکم تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ تم کیا جانو کون کیسا ہے، تم ظاہر پر قیاس کرتے ہو، اور معاملہ اللہ کے ہاتھ میں چھوڑ دو۔

3۔ پھر اگلی چیز دیکھیں جب اللہ چننے لگتا ہے، تو چھوٹے قد کے، عام سی شکل کے داؤد کو چن لیتا ہے۔ جب اللہ کا چناؤ علم کی بنیاد پر ہوتا ہے، تو دوسروں کو اس پر اعتراض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

4۔ پھر آج کا اگلا موضوع ہے" وسیلہ "۔ یہ بات پیچھے بھی ہو چکی ہے سورۃ المائدہ میں۔ یہاں اس پہ ہلکی سی بات دوبارہ ہو گی، جن کا وسیلہ تم ڈھونڈتے ہو، وہ تو خود بیچارے اللہ سے اپنے لیے وسیلہ ڈھونڈ رہے ہیں۔

5۔ پھر اگلی چیز ہم دیکھیں گے کہ اللہ تعالی کسی بستی کو تباہ کرنے سے پہلے وہاں پیغام پہنچاتا ہے۔

6۔ اگلی بات، جب اللہ کی طرف سے کوئی نشانی یا نعمت آ جائے تو اس کا انکار کرنا، یا اس کی ناقدری کرنا اللہ کے عذاب کو بلانے کے برابر ہے۔

7۔ اگلی چیز ہم یہ دیکھیں گے کہ اللہ کی نشانیاں دیکھ کر بھی لوگ کیوں نہیں مانتے؟ اس راستے کی کیا رکاوٹیں ہیں؟

8۔ اور دیکھیں گے " شجر معلونہ "کیا ہے؟ اور قرآن میں اس کا ذکر کیوں آیا۔

9۔ اور پھر یہاں پر بہت ہی تفصیل سے آدم اور ابلیس کا قصہ اور ابلیس کے ہتھکنڈے۔ سب سے زیادہ ابلیس کھل کے ان آیتوں میں نظر آتا ہے۔ سورۃ الاعراف میں بھی اس کی دھمکیاں تھی دائیں سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے اُوپر سے نیچے سے اس کے آنے کی، لیکن اِدھر تو لگتا ہے کہ وہ ہماری نسلوں کو کچا کھا جائے گا۔ تو ہم تفصیل سے دیکھیں گے کہ جن میں شیطان کی آواز، یعنی باطل آوازیں میوزک اور خلاف حق ہر بات آئے گی۔

اس سبق کا طریقہ یہ ہو گا کہ شروع کا حصہ تو مختصر ہے لیکن آخر کا حصہ بہت تفصیل سے ہے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِىْ يَقُوْلُوا الَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾

اور اے محمدؐ، میرے بندوں سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہترین ہو دراصل یہ شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے

اور آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہی بات کہیں جو بہت اچھی ہو۔ کون کس کو پیغام دے رہا ہے۔ اللہ تعالی نبیؐ کو اپنے بندوں کے لئے پیغام دے رہا ہے۔ پہلے تو خود سے پوچھیۓ؛ کیا میں خود کو اس پیغام میں شامل سمجھتی ہوں؟ یہاں ایک اور بات بھی یاد رکھیۓ کہ مکی سورتوں میں مسلمانوں کو براہ راست مخاطب نہیں کیا جاتا۔ اس کے برعکس مدنی صورتوں میں آپ دیکھیں يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ کیونکہ اس وقت تک ایمان کی نسبتیں واضح ہو چکی تھیں، اور اس کا آغاز قبلے کی تبدیلی کے بعد کی آیتوں سے ہوا۔ بہت ہی باریک نقطہ ہے۔ جب اُمت مسلمہ امت وسط کے منصب پر فائز ہو چکی تھی تو انہیں اس وقت يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا کے نام سے پکارا گیا۔

لیکن اِس سے پہلے آپ ﷺ کے توسط سے پکارا گیا۔ جیسے یہاں کہا گیا، یہ بھی ایک اچھا انداز ہوتا ہے۔ کسی کی لاج رکھنا، کسی کے ذریعے بات پہنچا دینا، اور جب تک تعلق ٹھیک سے قائم نہ ہو تو دوسروں کے ذریعے اپنی بات پہنچانا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔۔ یہ بات بھی یہاں سے پتہ چلتی ہے۔

يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اچھی باتیں کیا کرو۔ یہاں خوش اخلاقی کا سبق سکھایا جا رہا ہے۔ تو پہلی بات یہ ہے کہ دین کی تبلیغ کرتے ہوئے اچھی بات کیا کرو، یہاں پر اللہ تعالی نے سورہ النحل میں بتایا۔ اور بہت اچھے طریقے سے سکھا دیا۔ مگر یہاں پر تو احسن طریقے سے واضح کر دیا، کہ جب بھی تمہیں ایمان والوں کو اللہ کی بات بتانی پڑے تو اچھی بات کرو۔ یہی بات سورہ سجدہ میں بھی آتی ہے، ترجمہ: اس سے

بھی زیادہ اچھی بات کسی کی ہو سکتی ہے یا ہونی چاہیے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے۔ گویا تبلیغ میں خوبصورت الفاظ، خوبصورت انداز اختیار کرنا چاہیئے۔ لیکن خوبصورت انداز سے مراد آرٹیفیشل نہیں ہے۔ راگ الاپنے والی بات نہیں ہے۔ دل کو چھو لینے والی بات، دردمندی والی بات، دل میں اترنے والی بات، ہلکی پھلکی بارش کی طرح دل میں رِم جھم کرتی ہوئی، جو اگلے کے دل کی زمین کو نرم کر دے۔

سورۃ عنکبوت آیت نمبر 46 میں اللہ سبحانہ تعالی نے اہل کتاب کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے بیان فرمایا، اہل کتاب سے بھی بات کرتے ہوئے بھی احسن طریقے سے بات کرو۔ مخالفین سے بات کرتے ہوئے اَحسن طریقے سے بات کرنے کا حکم دیا۔ تو پھر جب مسلمانوں سے بات کرنی پڑی تو کیسے بات کرو۔ ہمارا انداز کیسا ہوتا ہے، جہنمی، کافر، منافق، کھوٹے، نہ جانے کیا کچھ کہتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالی نے ہمیں یہاں ایک اصول دیا کہ دین کی بات لوگوں کو پہنچانا ایسے ہی ہے جیسے کسی چیز کی اہمیت بیان کرنا، اسکے ہر طرح سے فوائد اور اسکا استعمال، اسکے آپ کی زندگی پر اثرات، سب کچھ بہترین طریقے سے بتائیں۔ جس نے آپ کے مزاج کی ترشی، آپ کے مزاج کی کڑواہٹ کی وجہ سے دین کو ترک کر دیا، سوچنے کی بات ہے پھر کیا ہو گا؟ وہ کدھر جائے گا، یاد رکھیں دین کی اشاعت کا کام بہت خوبصورت ہے۔ لیکن افسوس کہ ہم مسلمانوں نے اس کو دیتے ہوئے غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ تلخ، ترش باتیں، کڑوی باتیں کرتے ہیں۔ ہمارا رویہ کیا ہے، کریں تو کریں نہیں کرنا تو چپ رہیں، خاموش رہیں مت بولیں۔ انداز کاٹ کھانے والا ہوتا ہے۔ یاد رکھیں ہاتھ چھری یا تلوار سے کٹ جائے تو بہت دن درد محسوس کرتے ہیں۔

اگر آپ لوگوں کو دین کی بات کرتے ہیں تو پہلے ان کی عزت کریں۔ آپ لوگوں کو دین کی بات کریں تو جب آپ ان کی عزت نہ کریں گے وہ کبھی آپ کی بات نہیں سُنیں گے۔ یاد رکھیں آپ کے حلقے میں سب بہت بڑے مفکر نہیں ہوں گے، آپ کے بچے بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ آپ اپنے بچے کی عزت نہیں کریں گے وہ آپ کی بات نہیں مانیں گے، آپ اپنے شوہر کی عزت نہیں کریں گی وہ کبھی آپ کی زبان سے بات نہیں سنے گا۔ پہلے خود کو نرم کریں، قائل کرنے سے پہلے مائل کریں۔ ہم لوگوں کے ذہن پکڑنا چاہتے ہیں۔ پہلے ان کے دل پکڑیں، یہ جو احسن طریقہ ہے، دل نرم کرو، جیسے کسان پہلے مٹی کو نرم کرتا ہے، پھر بیج بوتا ہے۔ اگر سخت مٹی میں بیج ڈالیں گے تو کوئی بھی پودا نہیں اُگے گا۔ تو لھٰذا اچھی طرح سے بات کروگے تو لوگوں کو سمجھ آئے گی۔ اسکا ایک اور پہلو ذہن میں رکھیں کہ یہ دین کا معاملہ تو ہے ہی، مگر آپس کے معاملات میں بھی خوش اسلوب رہیں۔ اپنی ذاتی زندگی میں بھی، یہ نہیں کہ آپ درس دے رہے ہیں تو بہت اچھا رویہ رکھا ہوا ہے اور ذاتی زندگی میں آپ الٹ ہیں، اس آیت کا خلاصہ کیا ہے کہ گفتگو کے درمیان زبان کا مناسب استعمال کرو ورنہ ہو گا کیا؟

اِنَّ الشَّيۡطٰنَ يَنۡزَغُ بَيۡنَهُمۡ یقیناً شیطان ان کے درمیان جھگڑا ڈال دے گا۔ وہ ایسا کیوں کرے گا؟ کیوں کہ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ كَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِيۡنًا یقینا شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ دشمن کی تو خواہش ہوتی ہے کہ آپ کا نقصان کرے۔ شیطان تو پھر کھلا دشمن ہے، وہ تو جھگڑے ڈلوائے گا، فساد ڈلوائے گا۔ آپ نوٹ کریں تعلقات کی خرابیاں اکثر 98 پرسنٹ زبان کے غلط استعمال کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اگر آپ گوشت کاٹتے وقت چھری سیدھی استعمال کرنے کی بجائے الٹی استعمال کریں گے تو گوشت خراب ہو جاتا ہے۔ چیتھڑے چیتھڑے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے تعلقات کے درمیان ہماری

زبان کا بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ بعض اوقات ہم بے تکلفی میں اپنے دوستوں سے ایسی بات کہہ جاتے ہیں جو ان کو بری لگتی ہیں۔ مذاق کر دیا، کچھ بھی کہہ دیا۔ چل کنجوس،، چل موٹی، چل پتلی، چھوٹی، کالی کچھ بھی کہہ دیا۔ پارٹیوں میں دیکھا کریں جب بے تکلف باتیں ہوتی ہیں تو لوگ اپنی پیاری دوستوں کے ساتھ کس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کچھ باتیں وہ برداشت کر لیں کیونکہ وہ بھی آپ کے ساتھ مذاق کرتی ہیں، یاد رکھیں آخر میں کوئی ایک بات اس کو بری لگے گی اور وہ دل میں گرہ باندھ کے جائے گی۔ اور گھر جا کے وہ روئے گی اور پھر میاں کو کہے گی سارا موڈ خراب کر دیا اس نے میرا، خود کو بڑا سمجھتی ہے، یہ بہت خود پسند ہے اور اکثر دیکھیں ایسی باتیں وہ کرتے ہیں جو خود کو بہت بڑا سمجھتے ہیں۔ تو اللہ تعالی کہتے ہیں کہ چھری استعمال کرتے وقت بھی تو دیکھتے ہو کہ کس طرح استعمال کرنی ہے، تو کیا یہ زبان کی چھری جو تمہارے منہ میں ہے اس کو صحیح استعمال نہیں کرو گے۔ کسی نے زبان سے پوچھا تم 32 دانتوں کے درمیان کیسے رہتی ہوں، کیونکہ دانت بہت سخت ہوتے ہیں۔ اگر زبان اس کے نیچے آجائے تو کٹ جاتی ہے۔ تو زبان نے جواب دیا اپنی نرمی کی وجہ سے جب وہ اِدھر سے آتے ہیں میں اُدھر آجاتی ہوں جب وہ اُدھر سے آتے ہی تو مڑ کے دوسری طرف چلی جاتی ہوں۔

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو۔۔۔ رزم ھو یا بزم پاک دل و پاکباز

یہ ایک اچھا لیڈر ہوتا ہے۔ اپنے اندر یہ چار صفت لے آئیں، آپ کمرے میں چھپ کر کام کریں گے، اللہ آپ کو باہر لے آئے گا۔ نرم دم گفتگو، گفتگو کا انداز نرم، گرم دم جستجو، اندر سے جو شیلے، پر جُوش۔ اچھے، نئے خیالات لانے والے، اندر سے گرم ہوتے ہیں، پاک دل پاک جو، دوسروں کے لئے جن کا دل صاف ہوتا ہے، تو زبان صاف ہوتی ہے۔ جس کے لئے ہمارے دل میں محبت ہوتی ہے، ہماری زبان شہد نکالتی ہے اس کے لئے۔ سمجھ نہیں آتا کہ ڈکشنری میں کوئی اس سے بھی زیادہ اچھا اور

مٹھاس والا لفظ ہو جو ہم اس کے لئے لگائیں۔ اور جس کے لئے دل کھٹا ہو، خود بخود بدگمانیاں، بے کار باتیں آتی ہیں۔ پھر زبان بھی تلخ ہوتی ہے، آپ بے شک سچ پہ ہوں، لیکن سچ چھپتا نہیں ہے۔ اچھی بات بھی کریں گے تو چہرہ ساتھ نہیں دے رہا ہو گا۔ لہذا اچھی بات کریں، خاص طور پر جب آپ دین کے راستے پر نکلتے ہیں۔ اکثر اوقات لوگ مبلغ سے اختلافی سوالات پوچھتے ہیں، محفل میں بیٹھے ہوئے ایسا سوال پوچھیں گے جو اُدھر ہی کسی بیٹھے ہوئے پر چوٹ پڑے۔ اُس وقت سوچ کے جواب دیں، جیسے مثال کے طور پر کوئی آپ سے آکر پوچھے کہ نیل پالش لگانا جائز ہے۔ آپ اُس پہ فتویٰ دینے لگ جائیں۔ اس وقت ہو سکتا ہے محفل میں دس عورتوں نے نیل پالش لگائی ہوئی ہو، ہو سکتا ہے اس وقت انہوں نے نماز نہ پڑھنی ہو، ہو سکتا ہے اس نے پہلے وضو کر لیا ہو پھر نیل پالش لگالی ہو، دوبارہ وضو کرنا ہو تو گھر جا کے اتار کر پھر دوبارہ بھی کر لیں گی۔ اگر وضو ٹوٹ جائے تو۔ آپ کیوں بدگمان ہوتے ہیں نیل پالش والوں کو دیکھ کر۔ لیکن اگر آپ نے وہاں تقریر جھاڑ دی تو بہت سارے لوگ بدگمان ہو جائیں گے۔

ساری بات کا خلاصہ کہ آپ زبان کو یہ سوچ کر استعمال کریں کہ میرا ایک جملہ لوگوں کو جنت سے نکال کر جہنم میں لے جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی راستے میں جا رہا ہے اور آپ اس کو تھوڑا سا مس گائیڈ کر دیں، غلط راستہ بتا دیں، اور وہ اپنی عقل استعمال نہ کرے، یا آپ پر یقین رکھے تو وہ غلط راستے پر پلٹ جائے گا۔ اور جب پلٹے گا تو جنت سے اتر جائے گا۔ تو پھر کیا ہو گا، جب ہم اس طرح کی طنزیہ باتیں کریں؟ تبلیغ کے وقت طنز، طعنہ، غصہ، جوش، جذبات اور نہ ایک خاص حد سے آگے بڑھے ہوئے بات کریں۔ بعض اوقات لوگوں کے منہ سے بھی جھاگ نکل رہی ہوتی ہے، آنکھیں بھی شعلہ اگل رہی ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ رو پڑیں، آپ کی آواز اونچی ہو گئی ہے،

کیونکہ یہ زندگی کا حصہ ہے، آپ نے کوئی ایسی بات کی آپ کی آواز بھرا گئی، آپ رو پڑیں یہ تو قدرتی بات ہے۔ آہستہ آواز میں بات کرنے والے کبھی کبھار اونچی آواز میں بول دیں تو لوگ سوچتے ہیں کہ آج کیا ہو گیا ان کی آواز کیوں کتنی اونچی ہو گئی ہے۔لوگوں کا درد شاید ان سے برداشت نہیں ہو رہا۔ اور اگر اونچا چیخنے کی عادت ہو تو لوگوں پر آپ کی بات کا اثر ہی نہیں ہو گا۔عام لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے تو سچی بات کی ہے۔ اللہ کی بات تو کی، مگر اللہ کے بتائے ہوئے طریقے سے نہیں کی۔ اللہ کے حکم کے مطابق نہیں کی۔ اور یاد رکھیں جھگڑے کب دین میں شروع ہوتے ہیں؟ جب آپ اپنے بڑوں پر جھگڑنا، غصہ کرنا شروع کر دیں، میرا لیڈر، میرا بڑا، میرا پیر، میرے سردار، میرے بڑوں کا رتبہ۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں سب جھگڑے چھوڑ دو۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اخلاق تھا، کہ اللہ کے نبی نے قبائل والوں کو شیر و شکم کر دیا۔ جھگڑنے والوں کو کس طرح اللہ کے نبی نے رکھا۔ اقامت دین کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے مومنین کے سامنے بہت بڑی رکاوٹیں ہیں۔ پہلے تو وہ جہالت کی دلدل میں پھنسے ہوتے ہیں۔ جاہلیت کے اعتقاد نسلوں سے چلے آرہے ہوتے ہیں، پھر ان کو اپنے رسم ورواج جان سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں، بعض اوقات کچھ سیاسی اور معاشی مفادات بھی ان کو عزیز ہوتے ہیں۔ کبھی غیرت اور حمیت بھی ہوتی ہے۔ ان سب کا وہ دفاع کر رہا ہوتا ہے، دین کی تعلیم کے مقابلے میں۔ آپ ان سے اتنی چیزوں کی قربانیاں مانگیں گے تو نرمی سے، تحمل سے، بردباری سے، برداشت سے مانگیں، اشتعال میں نہیں آنا۔ دیکھیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں سنت شامل ہے۔ ہم لوگوں کو دین کا کیا مزاج دیں۔ آج بھی تو ہم مسلمان چھوٹی چھوٹی بات پر غیر مسلموں کے سامنے چیخنے چلانے لگتے ہیں۔

غزوہ تبوک سن 9 ہجری میں ہوا۔ بہت سے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے، سفر کے دوران نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس کی تلاش میں نکلے ایک مسلمان جو دل سے منافق تھا وہ بھی شریک سفر تھا۔ اس کا نام زید بن ابو صلیخ تھا۔ زید کہہ لیجیے اس کا نام، زید نے صحابہ رسول کو اِدھر اُدھر جاتے ہوئے دیکھا پوچھا کہ کیا بات ہے؛ ایک صحابی نے کہا ؛رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہوگئی ہے، ہم اُس کو تلاش کررہے ہیں۔ اس وقت زید نے طنز کرتے ہوے کہا؛ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بارے میں یہ گمان نہیں ہے کہ وہ نبی ہیں، وہ تم کو آسمان کی خبریں بتاتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ اُن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ دوسرے لفظوں میں اس نے توہینِ رسالتؐ کی۔ اللہ کےؐ کو جب معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ، ایک آدمی نے کہا ہے۔ (دیکھیں یہاں پر آپؐ نے نام نہیں لیا، ان ڈائریکٹ بات کی) یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں خبر دیتے ہیں کہ وہ نبی ہیں، اور ان کا گمان ہے کہ وہ تمہیں آسمان کی خبریں دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ میرا حال خدا کی قسم یہ ہے کہ مجھے اس کے سوا کسی چیز کا علم نہیں جو اللہ نے مجھے بتا دیا۔ (پہلے اپنی پوزیشن کلئیر کی کہ مجھے علم الغیب پتا نہیں ہے)۔ اب اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ اونٹنی کہاں ہے۔ وہ اس وادی میں فلاں گھاٹی پہ ہے۔ ایک درخت میں مہار کی رسی الجھ گئی ہے۔ تم لوگ وہاں جاؤ اس کو میرے پاس لے آؤ۔ آپ ﷺ نے اصل خبر بھی دے دی۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ زید نے توبہ کرلی، کیونکہ اسکو پتا چل گیا کہ اللہ نے سب کچھ بتا دیا سب واضح تھا۔

دوسرا قول ہے کہ وہ اپنے شر پہ قائم رہا، اور یہاں تک کہ مر گیا۔

اس واقعے کے بعد ایک صورت یہ تھی کہ اللہ کی طرف سے یہ حکم آتا کہ زید نے توہین رسالت کی ہے۔ اور آپ ﷺ کو گالی دی ہے۔ اس کو فوراً قتل کر دو۔ مگر ایسا نہیں ہوا آپ ﷺ نے یہ کہا کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے۔ اب یہ جملہ غور سے سننے کا ہے۔ جس کی آج مسلمانوں کے مبلغین کو اور مسلمان لیڈروں کو ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ جوش میں آکر اگر زید کو قتل کرواتے، کرواسکتے تھے، تو صرف ایک شخص کا قتل ہوتا۔ یعنی آپ کو گالی دینے والا یا آپ کی توہین کرنے والا ایک شخص ہوتا، وہ قتل ہو جاتا۔ مگر جب آپ ﷺ نے کھوئی ہوئی اونٹنی کے بارے میں صحیح بتا دیا، تو آپ ﷺ نے اس کے فتنے کو قتل کر دیا، اور بلاشبہ کسی بندے کو قتل کرنے کے مقابلے میں اس کے فتنے کو قتل کر دینا زیادہ اہم ہے۔ اور اس سے کہیں زیادہ مفید بھی ہے۔ اچھائی سے فتنے کو مار دو، وہ مر جاتا تو اس کے کئی حامی کھڑے ہو جاتے۔

آج ہم مسلمانوں کو اتنی عقل نہیں آرہی۔ ہم کتنے لوگوں کو مروا رہے ہیں، ظلم کر رہے ہیں، مگر اصل بات پہ نہیں آرہے۔ اللہ تعالی فرمارہے ہیں،

رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِكُمۡ‌ؕ اِنۡ يَّشَاۡ يَرۡحَمۡكُمۡ اَوۡ اِنۡ يَّشَاۡ يُعَذِّبۡكُمۡ‌ؕ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا ﴿۵۴﴾

تمہارا رب تمہارے حال سے زیادہ واقف ہے، وہ چاہے تو تم پر رحم کرے اور چاہے تو تمہیں عذاب دے دے اور اے نبیؐ، ہم نے تم کو لوگوں پر حوالہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے۔

رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِكُمۡ تمہارا رب تم سے خوب واقف ہے، اور کون کتنا نیک ہے، کون کتنا بد ہے، کون کس درجے کا نیک ہے، کون کیسا ہے، اِنۡ يَّشَاۡ يَرۡحَمۡكُمۡ اَوۡ اِنۡ يَّشَاۡ يُعَذِّبۡكُمۡ اللہ چاہے گا تو تم پہ رحم فرمائے گا، چاہے گا تو تم کو عذاب دے گا۔ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا اے نبی ہم نے آپ ﷺ کو

ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا۔ کتنا خوبصورت پیغام ہے، کہ ہدایت کو قبول کرنا یا نہ کرنا ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے۔ اس کا ذاتی انتخاب ہے، آپؐ کا کام ان تک پیغام پہنچانا ہے، آپ ﷺ ان کو ھدایت پر لانے کے مکلف نہیں ہیں۔ ڈاکیہ کا کام پوسٹ کو پوسٹ میں ڈالنا ہوتا ہے۔ بعد میں کوئی اس کو کھولے، نہ کھولے، کھول کر اس پر عمل کرے، نہ کرے، یہ اسکی مرضی، آپ کی ذمے داری ختم ہو جاتی ہے۔ گویا یہاں کہا گیا کہ کسی کے جہنمی جنتی ہونے کا فتوے نہ دو۔ مسلمان کی زبان پر اس قسم کے دعوے نہیں ہونے چاہیے، کہ ہم جنتی ہیں اور فلاں دوزخی ہے، یہ اللہ کا فصلہ ہے، وہی انسان کے، ظاہر، باطن، اندر، باہر کا جاننے والا ہے۔ لہٰذا زبان کا غلط استعمال کتنی خرابیاں لاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کفار کی زیادتیوں سے تنگ آ کر ہو سکتا ہے مسلمانوں کے منہ سے ایسے جملے نکل جاتے ہوں کہ تم تو دوزخی ہو، تم تو آگ میں جاؤ گے۔ ہمیں ستا رہے ہو۔ یہاں پہ کہا نہیں؛

نبی کا کام دین کی دعوت دینا ہے، کسی کی قسمت آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے کہ کسی کے حق میں عذاب کا، کسی کی قسمت میں رحمت کا فیصلہ کرتا پھرے۔ یاد رکھیں اللہ کے نبی ﷺ نے خود کبھی بھی ایسا نہیں کیا۔ لیکن ہم سب کو سکھا دیا کہ تم اپنے آپ کو بچاؤ۔ جس کا گھر ہوتا ہے وہی اسکا فیصلہ کرتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اگلی آیتوں میں کچھ اور باتیں بیان فرماتے ہیں جس سے ہمیں اللہ کی قدرتوں کا احساس ہوگا۔

وَرَبُّكَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ وَلَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعۡضٍ‌ وَّاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۵۵﴾

تیرا رب زمین اور آسمانوں کی مخلوقات کو زیادہ جانتا ہے ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض سے بڑھ کر مرتبے دیے، اور ہم نے ہی داؤدؑ کو زبور دی تھی ﴿۵۵﴾

کیا کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں؛ کتنا کچھ ہے۔ بڑی چھوٹی چیزیں، فرشتے اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں جانور ہیں آسمان کے درمیان جتنی بھی مخلوق ہیں وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّنَ عَلٰي بَعْضٍ اور ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت بخشی، بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ آیت درمیان میں آگئی ہے۔ لیکن اس آیت کے پیچھے ایک اور بات ہے۔ آخری حصے کو پورا کرتے ہیں وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا اور ہم نے داوٗد کو زبور عطا کی تھی۔ اصل میں اہل مکہ کے ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اور مکہ والوں کا اعتراض کیا تھا؟ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے لیے کیوں چنا گیا۔ سرداروں کو اپنی امیدیں لگی ہوئی تھیں کہ اگر عرب میں اللہ نے رسول بھیجا بھی تو ہم میں سے کوئی چنا جائے گا۔ لیکن چنا گیا ایک یتیمِ مکہ، دُرِ یتیم، صحرا کا پھول چنا گیا۔ بڑی تکلیف ہوئی ان کو، یہ چھوٹے لوگ چنے گئے، اور ہم بڑے بڑے دعوے دار پیچھے رہ گئے۔ اور اللہ تعالی کہتے ہیں۔ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور رب کو پتا ہے کہ زمین اور آسمان میں اس نے کس کو چنا ہے۔ کس میں کیا خوبی ہے کس میں کیا بڑائی ہے۔ "چناؤ کے پیچھے اسباب" ہوتے ہیں۔ یاد رکھیں اللہ تعالی کسی کو چنتا ہے تو اس میں پیچھے کوئی بہت بڑی خوبی ہوتی ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو خوبیاں تھی اس پہ تو کوئی اعتراض کر ہی نہیں سکتا۔ اگر اللہ نہ کرے ایسا کوئی اعتراض دل میں اٹھ جائے تو پھر اپنے ایمان کی فکر کیجئے۔ لیکن یاد رکھیے، انسان کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے چناؤ میں، بعض اوقات خوبیاں چنواتی ہیں۔ اور بعض اوقات عادات چنواتی ہیں۔ اور بعض اوقات اسکی صلاحیتیں چنواتی ہیں۔ میرا "ذاتی مشاہدہ" ہے، میں نے ساری چیزوں کو اِدھر اُدھر کرکے تجربے کئے۔ اپنے ساتھ بھی اوروں کے ساتھ بھی، جو آخری کسوٹی بنتی ہے کسی جگہ کام کرنے والوں کے لئے۔ وہ ہے "دستیابی" (availability)۔ جو بندہ موجود ہے،

جو بندہ وقت پہ آتا، وقت پہ جاتا اصول کا بھی پابند ہے۔ آپ کے لئے وہ موجود ہے۔ اگر وہ کھوٹا بھی ہے نا آپ محنت کر کے اس کو کھرا کر لیں۔ اُس کے اُوپر اگر گرد پڑی ہوئی ہے، تو صاف کر لیں۔ زنگ بھی لگا ہوا ہے تو اس کو صاف کر کے اپنے لئے چمکا لیں۔ وہ آپ کو کم تھکائے گا۔ سب سے زیادہ تھکن کاموں میں غیر حاضر لوگوں کے پیچھے جانے میں ہوتی ہے۔ یقین کریں یہ ہمارے چاروں طرف منصوبے بن رہے ہیں۔ دن رات، صبح شام، اِدھر اُدھر، آن لائن، نیٹ پر سرچ کر لیں۔ ایک کرائیٹیرین ہے، جو وقت پر آتے ہیں اور وقت پہ جاتے ہیں، ان لوگوں کو خود سکھا لیں۔ جو مجبوریوں میں آتے ہیں تو وہ لوگ غیر حاضر ہوتے ہیں۔ آپ ان پہ جتنی محنت کر لیں، یقین کریں ہر اہم موڑ پر، ہر اہم پیپر میں، ہر اہم میٹنگ میں یہ لوگ موجود نہیں ہوتے، غیر حاضر ہوتے ہیں۔ ہر کنور سیشن میں دل کھٹے ہو جاتے ہیں۔

اور اللہ کے نبی ﷺ کی زندگی تو دیکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ بہت بڑی خوبی تھی۔ "اب اس اعتراض کا سوچیں جو مکہ والوں کا تھا" آپ نے ولید بن مغیرہ کا نام سنا ہو گا، بہت دولت مند بھی تھا۔ اور بہت اعلی قسم کی خوبصورت شخصیت کا مالک تھا۔ سورہ مدثر میں ہم اس کے بارے میں ہم پڑھیں گے۔ مال، بیٹے، خوبصورتی، حسب و نسب جس کو آپ کہہ سکتے ہیں بہت طاقت اور اقتدار والا انسان تھا۔ مثال کے طور پر کوئی تقابل نہیں ہے اس شخص کا اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ۔، اگر اللہ اسکو نبی کی جگہ چن لیتے، وہ تو موجود ہی نہ ہوتا۔ اس کے مسائل ہی اتنے تھے۔ اس کے اندر تو تکبر بھرا ہوا تھا۔ اور اسکا دائرہ کار ہی اتنا تھا۔ طائف میں اس کے گھر تھے، مکہ اور طائف کے درمیان وہ یوں گھومتے تھے جیسے کوئی اپنے گھر کے درمیان گھومتا ہے۔ "اللہ کی حکمت" اللہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو چنا۔ اللہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض چیزوں سے دور رکھا۔ دنیا کی، جان و مال

کی،اولاد کی، گھر داری کی ذمہ داری سے ان کو دور رکھا۔کیوں؟کیونکہ اللہ ان سے اپنے کام لیناچاہتا تھا۔(محرومیاں کو کامیابی کیسے بنائیں؟)اگر آپ کی زندگی میں کوئی محرومی ہے؟وہ محرومی جو آپ انسانوں کی نظر میں محرومی کہتے ہیں۔اللہ تو کبھی کسی کو محروم نہیں رکھتا۔مثلاًاگر آپ مالی طور پر کمزور ہیں،اولاد نہیں ہے یاشادی نہیں ہوئی،شوہر پاس نہیں ہے،کچھ بھی ہو سکتاہے۔آپ اس کو جاکے ڈیپازٹ کریں،اور ان سے کریڈٹ نکالیں۔

یقین کریں یہ اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے۔اللہ تعالی آپ کو اپنے کسی کام کے لئے فارغ کر دے۔ ان کو نہیں پتا تھا کہ اللہ کے نبی کے چناؤ کی حکمت کیا ہے۔اور اللہ کے نبی کی جو لگن تھی اس کا تو کوئی اندازہ لگا ہی نہیں سکتا۔اللہ کہتے ہیں کہ تم میرے ساتھ کیسے اعتراض کرتے ہو۔آپ ذرا سوچئے تو سہی کتنی جرأت کی بات ہے کہ اللہ کو کہہ رہے ہیں(نعوذ باللہ) ان کو کیوں چنا،ان کو کیوں نہیں چنا۔کسی انسان نے کسی انسان کو چنا،وہ ٹھیک نہیں نکلا۔آپ اس کو نکال کے پھینک دیں گے،کسی دوسرے کو لے آئیں گے۔سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن ایک شخص،کمزور سا بندہ،اللہ کے چناؤ کو چیلنج کرے؛ کتنا بڑا معاملہ ہے۔یاد رکھیں جس کو آپ کے اوپر بڑا بنایا جائے اُس کو نہ ماننا،چناؤ کا انکار ہوتا ہے۔اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہیں تھا۔اصل میں اللہ تعالی کہتے ہیں کہ ان کے دل کا تکبر تھا۔اور بڑائی کا احساس کبھی بندے کو کبھی کسی جگہ فٹ نہیں ہونے دیتا۔اللہ تعالی ہمیں بتاتے ہیں کہ دیکھو یہ کوئی پہلا نبی تھوڑی تھا۔

"وَلَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعۡضٍ ہم نے بعض کو بعض پہ فضیلت دی"۔دیکھیں تیسرے پارے کی آیت تِلۡكَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰي بَعۡضٍ تو اللہ تعالی کہتے ہیں یہ پہلا نبی تھوڑی ہی

تھا۔ ابراھیم علیہ اسلام کو خلیل اللہ بنا کے بھیجا، موسی کو کلیم اللہ بنا دیا، داوٗد کو زبور دے دی، عیسیٰ کو بن باپ کے پیدا کر دیا، پہلے انسانیت میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چن لیا۔ ان کو معراج کرائی، پچھلی آیتوں میں آپ نے معراج کا ذکر پڑھا۔ آگے بھی آپ کو اسکے اشارے ملیں گے۔ اللہ نے گویا نبی کو چنا پھر نبیوں میں سے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو چنا۔ تو تم اس پہ اعتراض کیا کرتے ہو۔ تو گویا آپ کہہ سکتے ہیں اس ساری بات کے آخر میں کہ جنہوں نے اللہ کے نبی کو دل سے قبول نہیں کیا، آج وہ کدھر ہیں؟ ایسے لوگ خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں۔ جو کسی چیز کو قبول نہیں کرتے، اور اندر کی بڑائی انسان کو دوسروں کے سامنے بڑا بننے پہ مائل کرتی ہے۔

اسی لئے اگلی ہی آیتوں میں بتایا گیا۔ اللہ نے حضرت داوٗد کی مثال دی۔ حضرت داوٗد علیہ السلام چھوٹے قد کے تھے۔ پیچھے آپ پڑھ چکے ہیں طالوت، جالوت کے قصے میں۔ کیا تھے وہ، کچھ بھی نہیں تھے۔ چھوٹے قد کے دبلے پتلے، کمزور سے سپاہی تھے۔ اللہ کی ذات نے ان سے کام لینا تھا۔ ان کے ہاتھوں سے دشمن بادشاہ کو مروایا۔ اس کے بعد ان کو آگے کر دیا۔ ان میں اور بھی بہت خوبیاں تھیں۔ یاد رکھیں ظاہر داری بھی کچھ نہیں ہوتی۔ کسی انسان کے اندر ظاہری طور پہ کتنی خوبیاں ہیں، یہ میں اور آپ جانتے ہیں۔

اللہ بندے کے اندر کو جانتا ہے۔ آگے دیکھتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو فضیلت دی۔ یہاں تھوڑی سی بات سورۃ کے حوالے سے، سورہ بنی اسرائیل مکی دور کی آخری سورتوں میں سے ہے۔ اس کا آغاز بھی بنی اسرائیل کی تاریخ سے شروع ہوا۔

سورۃ کے نزول سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قران کے بارے میں تمام خبریں مدینہ پہنچ چکی تھیں۔ یہودِ مدینہ ایک ایک خبر کا باریک بینی سے جائزہ لے رہے تھے۔ ان کو سب پتہ تھا

،لیکن نبی صلی اللہ وسلم ابھی مدینہ نہیں پہنچے تھے۔ پھر عنقریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ جانے والے تھے ان حالات میں جب مسلمانوں کا یہود کے ساتھ عقائد اور نظریات کے بارے میں تبادلہ خیال ہوتا تھا کہ وہ اپنے دور کے مذہبی لوگ تھے۔ تو یہ ممکن تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے انبیاء کے بارے میں سوال پوچھیں گے۔ اچھا جی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں تو آپ یہ بتائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اعلیٰ تھے یا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ ہیں۔ یعنی یہ جھگڑے لوگ کرتے ہیں۔ سیدھے سادے لوگ ہوتے کسی دیندار کے آنے پر شکر ادا کرتے ہیں۔ کوئی اللہ کا بندہ آیا، اس نے بات سنائی اور یہ پہنچ گئے۔ لیکن جدھر لوگ پہلے سے تھوڑا سا دین سے لگے ہوتے ہیں، وہاں پر اگر کوئی دیندار آجائے تو فوراً تقابل شروع کر دیتے ہیں۔ کس جماعت سے ہیں، اور کس جگہ سے آئے ہیں، کس گروہ سے ہیں، کس طرح پڑھتے ہیں۔ یہی جھگڑا تھا اِدھر۔

اللہ تعالی پہلے سے بتا رہے ہیں۔ اے نبی ﷺ آپ کو ایک اصولی بات بتائی جا رہی ہے۔ اللہ کو اپنی مخلوق کا پتا ہے۔ کون کیسا ہے۔ جو بات سورہ البقرہ میں کہہ دی تھی تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ جب یہود مدینہ آپ سے بحث کریں گے، تو آپ نے ان بحثوں کے جواب میں جھگڑے نہیں کرنے۔ تا کہ ان کو تعصب کا موقع نہ ملے۔ یہ بہت نازک موقع ہوتا ہے۔ رسول ایک دوسرے پر اعلیٰ نہیں ہیں، تو آج یہ آئمہ اکرام ایک دوسرے سے اعلیٰ اور ارفع کیسے ہو گئے۔ ایک امام کو ماننے والے دوسرے امام کے ماننے والے سے جھگڑنے لگے۔ ایک استاد سے پڑھنے والے دوسرے استاد کی برائی کرنے لگیں، اس سے شیطان کو فائدہ ہو گا۔ اگلی آیتوں میں شیطان کی باتیں آنیوالی ہیں۔

اللہ تعالیٰ یہاں ہم سب کو بتاتے ہیں کہ دیکھو جھگڑوں میں پڑنے سے کبھی دین کا فائدہ نہیں ہوتا۔ خود اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ نبیوں کے درمیان درجہ بندی مت کیا کرو۔ اور فرمایا کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ کوئی یہ کہے کہ میں (محمد ﷺ) یونس بن مطع سے افضل ہیں۔ حضرت یونس علیہ اسلام وہ واحد نبی ہیں جن کی قوم پر گرفت ہوئی تھی، پھر اللہ تعالی نے اس قوم کو بخش دیا تھا، عذاب ٹال دیا تھا۔ لہٰذا اللہ کے نبی کی تعریف تو کریں، مگر تقابل نہ کریں۔ تیسرے پارے میں بات ہو چکی ہے۔ پھر اسی پہ فرمایا مکہ والوں کے کچھ بت تھے جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نبی کو نہیں مانتے تھے ۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿٥٦﴾

اِن سے کہو، پکار دیکھو اُن معبودوں کو جن کو تم خدا کے سوا (اپنا کارساز) سمجھتے ہو، وہ کسی تکلیف کو تم سے نہ ہٹا سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں ﴿٥٦﴾

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ یہاں پر یہ بات نوٹ کر لیں کہ ہر آیت قُل سے شروع ہو رہی ہے۔ اللہ کے نبی کو کہا جا رہا ہے۔ کتنا خوبصورت انداز ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیتیں پڑھتے ہوں گے تو کہتے ہونگے جی اللہ جی، میں ابھی ان کو کہتا ہوں۔ یہ ایسے ہے کہ اگر اس وقت آپ سے کوئی بات کہے کہ یہ بات جا کے نیچے کہہ آئیں تو آپ کہہ دیں جی اچھا، میں ابھی جا کے بتاتی ہوں۔ جب کسی کو میسج مل جاتا ہے تو دل کرتا ہے کہ فوراً پورا کر دیا جائے۔ یہاں محبت کا بھی انداز ہے۔ داؤد کی زبور کی بات ہوئی تھی تو نوٹ کر لیجئے گا کہ زبور میں 114 نظمیں تھیں۔ جس کو حمد کہہ لیں۔ چھوٹی سی کتاب تھی، آج قران میں 114 سورۃ ہیں۔ وہ صرف نظمیں تھیں اور قرآن مجید کی سورتوں میں کیا ہے؟ دنیا جہان کا خزانہ بھرا ہوا ہے۔ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ان سے کہو، پکار دیکھو

اُن معبودوں کو جن کو تم اللہ کے سوا(وکیل، اپنا کارساز) سمجھتے ہوفَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ان کو کچھ اختیار حاصل ہے کہ تم سے کوئی تکلیف دور کریں اور نہ ہی تمہاری حالت بدلنے کا۔ بہت خوبصورت انداز ہے کسی کے شرک کو چیلنج کرنے کا۔ کیوں کہ جن کو تم پکارتے ہو وہ کیسے ہیں؟ اگلی آیت ساتھ چلتی ہے۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿٥٧﴾

جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ کون اُس سے قریب تر ہو جائے اور وہ اُس کی رحمت کے امیدوار اور اُس کے عذاب سے خائف ہیں حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے لائق ۔

مکہ والوں نے کچھ بت بنائے ہوئے تھے۔'لات' اللہ کی مؤنث تھی، منات اللہ کے نام 'المنان' کی فی میل تھی، عزیٰ اللہ تعالی کی تعریف 'العزیز' کی مؤنث تھی۔ اور وہ ان کے سامنے جاتے تھے، اور ان کو پکارتے تھے، اور ان سے مانگتے تھے۔ یہاں لفظ زَعَمْتُمْ آیا ہے۔ گمان کو کہتے ہیں، مشکوک بات۔ جیسے ہم اردو میں کہتے ہیں تمہیں کس بات کا زعم ہے۔ جھوٹی بات، مشکوک بات بھی زعم ہوتی ہے۔ ملائکہ کو، پیغمبروں کو، یا اولیاء کرام کو، مرے ہوئے بزرگوں کو پکارتے تھے۔ اللہ تعالی کہتے ہیں پہلی بات تو یہ بتاؤ کہ وہ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ کر سکتے ہیں؟ تمہاری تکلیف کو دور کر سکتے ہیں۔ اور الضُّرِّ کہتے ہیں جسمانی تکلیف، بھوک اور مرض تینوں کے لئے آتا ہے۔ کیا یہ تمہاری بھوک دور کر سکتے ہیں؟ قحط دور کر سکتے ہیں؟ بیمار ہو جاؤ تو بیماری دور کر سکتے ہیں؟ وَلَا تَحْوِيْلًا کیا تمہارے حالات بدل سکتے

ہیں؟ تاویل کا لفظ حول سے ہے، پھیرنے کے معنوں میں کسی کے حالات بدل دینا۔ کوئی حالات کو بدل سکتا ہے؟ کوئی بت کر سکتا ہے؟ کوئی انسان کر سکتا ہے؟ اُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ يَدۡعُونَ يَبۡتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الۡوَسِيلَةَ جن کو تم وسیلہ بناتے ہو۔ وہ خود اللہ کو وسیلہ بناتے ہیں۔

ان بزرگوں نے دین میں محنت اس لئے نہ کی تھی کہ ان کو شہرت ملے۔ بلکہ انہوں نے اللہ کا قرب پانے کے لئے محنت کی تھی۔ کیا پتہ چلتا ہے اس آیت کو پڑھ کر کہ اللہ کو پکارنا، ان لوگوں کی ساری زندگی اللہ کو پکارنے اور اللہ کا قرب پانے میں گزری۔ تم بھی اللہ کو پکارلو۔ تم تو وہ محنت نہیں کرتے، جو انہوں نے کیں، اور تم ان کے پلو پکڑنا چاہتے ہو۔ دیکھیں سورۃ فاتحہ سے یہی ٹوپک چل رہا ہے صِرَاطَ الَّذِينَ أَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ﴿٦﴾ اے اللہ راستہ دیکھا ان لوگوں کا جن پر تیرا انعام ہوا۔ تیرے راستے پر چلیں۔ یہ تو نہیں کہا کہ اے اللہ تو ان لوگوں کا پلو پکڑا دے، جن پر تیرا انعام ہوا تھا ۔ تاکہ ہم ان کا پلو پکڑ کر چلتے رہیں۔ پھر ہم نے سورۃ آل عمران میں بھی یہ بات پڑھی، جب بی بی مریم کے پاس بن موسم کے پھل دیکھے تو حضرت زکریا نے کیا کیا؟ خود ربّ کو پکار لیا، اے اللہ تو ان کو بن موسم کے پھل دے سکتا ہے تو مجھے بھی دے سکتا ہے۔ ہم ہوتے تو بی بی مریم سے ہی دعا کرانے لگ جاتے۔ وسیلے کا شرک بہت بڑا شرک ہے۔ کس طرح سے انسانوں کو لوٹا جارہا ہے، آج لوگوں کو اللہ کا بنانے کی بجائے اپنا بنایا جارہا ہے۔

ایک بزرگ ہیں اس نے اپنا دین بنایا ہوا ہے۔ ہندو، عیسائی یا یہود کوئی بھی مذہب ہو وہ دین کی کوئی بھی بات نہیں کرتے، کہتے ہیں آجاؤ اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں۔ پھر لوگ انکے ہاتھ چومتے ہیں، انکے پاوں چومتے ہیں۔ اپنی پوجا کرواتے ہیں۔ کبھی کپڑے استری ہورہے ہوتے ہیں ان کے، کھانے بن

رہے ہیں، ان کو اپنے لئے بہت بڑا سمجھتے ہیں، اس دین میں نماز ہے نہ روزہ ہے۔ ہم مسلمان تو ہیں، لیکن اسلام کے عقائد اور عملی عقائد سے دور ہیں۔ اس وقت ہندو، عیسائی اور یہودی تین بڑے مذہب ہیں۔ میں نے ان کے قریب جا کے بھی دیکھا ہے اب ہندو بھی بہت سے نام کے ہی ہندو ہیں۔ وہ کسی اور شخصیت پرستی میں کھوئے ہوئے ہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کے عقائد کو چھوڑ کر اتھیس لا دین / دہریے بن چکے ہیں۔ اور یہود تو اپنے دین پر بات ہی نہیں کرتے۔

یقین کریں یہ موضوع بہت اہم ہے۔ اتنا اہم ہے کہ کچھ لوگ کسی نہ کسی شخصیت کے سحر میں گم ہیں۔ اچھے لوگ، اخلاقی لحاظ سے اعلیٰ ترین لوگ، پڑھے لکھے لوگ، انسانوں کی خدائی میں آئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالی کہتے ہیں تم ان کا قرب نہیں ڈھونڈو، اللہ کا قرب ڈھونڈو۔ سورۃ مائدہ میں بھی وسیلہ پہ بات ہو چکی ہے۔ وسیلہ ایک جگہ بھی ہے۔ جنت کا اعلی ترین مقام، جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جائے گا۔ اس دنیا میں اللہ کے نیک بندے، اللہ کے ہاں اپنے درجات بلند کرنے کے لئے کوشش میں رہتے ہیں۔ تھوڑی سی نیکی کر کے سو نہیں جاتے۔ کچھ دن نیکی کر کے بیٹھ نہیں جاتے۔ تھوڑے دن بعد ان کو آرام نہیں چاہیے۔ یہ لوگ وقت کی قدر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کہتے ہیں تم اپنی شخصیات کو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو آمنے سامنے رکھ کے دیکھ لو تم کو خود پتہ چل جائے گا کہ کس کی بات سچی ہے۔ اور اس آیت سے ایک اور بات بھی پتہ چلتی ہے کہ، جو اللہ کے نیک بزرگ تھے ان میں یہ چار خوبیاں موجود تھیں۔ انہوں نے اللہ کا قرب بھی حاصل کیا، پریشانی کا اظہار کیا، وہ اللہ کی رحمت پر امید سے نیکیاں کیا کرتے تھے۔ وہ اللہ کے خوف سے ڈرتے بھی تھے۔ ان کے دلوں کے اندر سکون اور اطمینان ہوتا تھا۔ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ دنیا کی ساری چیزیں اس پر ہیچ ہے کہ آپ کو اللہ کا قرب

مل جائے۔ جب انسان کو اللہ کا قرب مل جاتا ہے تو سب سے پہلی چیز اس کا دل مطمئن ہوتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب، جان لو اللہ کے ذکر میں ہی دل کا سکون ہے۔

کہتے ہیں تین موقعوں پر اپنے دل کو ڈھونڈو۔ اگر دل نہ لگے وہاں، تو مان لو کہ جسم میں دل نہیں پتھر ہے؛ 1۔ اس میں سے ایک قرآن کی محفل

2۔ دوسرا ذکر کی محفل، جب تم اللہ کو یاد کرتے ہو،

3۔ اور تیسرا تنہائی میں

جس کو تنہائی اچھی نہیں لگتی، ہر وقت محفلیں ہر وقت گھومنا پھرنا تو سمجھئے دل مردہ ہے۔ اندر کا سکون ہدایت پر ہونے کی نشانی ہے۔ گناہوں سے کبھی دل کو خوشی نہیں ملے گی۔ باطل سے، ظلم سے کبھی دل کو سکون نہیں ملتا۔ بندۂ مومن کا دل ہر وقت اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ خوش ہوا تو "الحمدللہ"، کوئی چیز عجیب دیکھی تو "سبحان اللہ"، گناہوں سے ڈر گیا تو "استغفر اللہ"۔ ایک بندے کو جب اللہ کا قرب مل جاتا ہے تو وہ اللہ کو پوری عظمتوں کے ساتھ پالیتا ہے۔ ہمیں تو بعض اوقات اللہ کا نام لیتے ہوئے شرم آتی ہے کہ لوگ کہیں گے یہ تو بڑی اللہ والی ہوگئی ہے۔ ہم نے اپنی روح کو مادی چیزوں سے خوش کرنا چاہا۔ حالانکہ روح کو اللہ کی یاد سے خوشی ملتی ہے۔ بعض اوقات بڑی بڑی گاڑی گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے لوگ بھی دکھی نظر آتے ہیں۔ بڑے بڑے عہدوں پر مامور، اعلی کھانے کھانے والے، عمدہ لباس پہننے والے لوگ سکون کی نعمت سے محروم نظر آئے۔ حقیقی خوشیوں کی جگہ مصنوعی خوشیاں۔ اصل خوشی یہ ہے کہ ایک بندے کو اللہ کا قرب مل جائے۔ دعا کیجئے یہ قرب ہمیں مل جائے (آمین)۔ جتنا اللہ تعالی کا قرب ہماری زندگی میں آئے گا اتنا سکون ملے گا۔ اسی لئے اللہ تعالی فرماتے ہیں آیت 58 میں؛

وَاِنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا نَحۡنُ مُهۡلِكُوۡهَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ اَوۡ مُعَذِّبُوۡهَا عَذَابًا شَدِيۡدًا‌ ؕ كَانَ ذٰ لِكَ فِى الۡكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا‏ ﴿۵۸﴾ اور کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا سخت عذاب نہ دیں یہ نوشتہ الٰہی میں لکھا ہوا ہے ۔

اشارہ ہے اس تباہی کی طرف جو قیامت سے پہلے اس دنیا پر آنے والی ہے۔ سورۃ الکھف آیت نمبر 2 میں ہم پڑھ چکے ہیں۔ قَيِّمًا لِّيُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِيۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡهُ وَيُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ۔ قیامت سے پہلے دنیا میں ایک بہت بڑی جنگ ہوگی۔ "ملاحمت العظمٰی" بہت بڑی جنگ کی پیشنگوئی ہے، جو قیامت کے نزدیک ہوگی، مفسرین کہتے ہیں۔ اس میں اس کا ذکر ہے۔ دنیا میں ایسی جنگ چھڑے گی کوئی کہتا ہے یہ ایٹمی جنگ ہے۔ ایسی جنگ ہوگی جس میں دنیا ختم ہوتی ہوئی لگے گی۔ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا یہ کہ یہ اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ بستیاں تب تباہ ہوتی ہیں، جب وہاں برائیوں سے نہ روکا جائے، اصلاح کا کام ختم ہو جائے۔ جب لوگ گناہ تو کرتے ہیں لیکن استغفار کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ پتہ کیا چلا اس آیت سے یا طبعی موت میں کوئی بستیاں مرتی ہیں، اور بعض عذابوں سے مرتی ہیں۔ بعض جگہ زلزلے آ جاتے ہیں۔ بعض جگہوں پر بم گرائے جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی سنت ہے۔ جب لوگ اللہ کی بات نہیں مانتے تو اُنکا یہی حال ہوتا ہے۔ اس کو پچھلی آیت سے ملا کے دیکھ لیجیے اللہ تعالی کہتے ہیں میرا عذاب کیا ہے محذورہ ڈرنے کی چیز۔ اور خود بھی ڈرو اور لوگوں کو بھی ڈراؤ۔ پہلے تو انفرادی عذاب آتا ہے۔ پھر اجتماعی عذاب آتے ہیں سورۃ آل عمران میں ہم پڑھ چکے ہیں۔ اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے ہم کتنا اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے محفوظ رکھتے ہیں۔ ہم سب خود سے پوچھیں۔ اس لئے اللہ

تعالیٰ کہتے ہیں جب نعمت ملے نعمت کو پا کر بھی لوگ اللہ کا قرب نہ پائیں تو یہ اللہ کے عذاب کی پہلی قسط ہے۔

اس لیے اگلی آیت میں بتایا خلاصہ کیا ہے کہ لوگ کیوں نہیں مانتے وَمَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ نہیں روکا اور ہمیں نہیں روکا منی کسی اور بات نے ہمیں نہیں روکا اِلَّاۤ سوائے اس بات کے اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ کہ ہم نشانیاں بھیجیں اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ سوائے اس کے کہ جھٹلایا تھا اس کو پہلے لوگوں نے آگے بھی پڑھیں گے سورۃ بنی اسرائیل میں سے مکہ کا وہ دور تھا معجزہ مانگ رہے تھے لوگ احد پہاڑ سونے کا ہو جائے۔ صفا پہاڑ سونے کا ہو جائے۔ مدینہ میں کوئی کنویں نکل آئیں چشمے پھوٹ پڑیں، اللہ کہتے ہیں میرے لئے کیا مشکل ہے۔ معجزوں کی طلب میں یہ آیت اتری تھی کے معجزے بھیجنا کیا مشکل ہے۔ لیکن ہم کیوں نہیں بھیجتے۔ جب پچھلوں کے پاس نشانیاں آئی تھی اس کو دیکھ کر بھی نہیں مانے تھے۔ پیچھے پڑھ چکے ہیں سورۃ الانعام میں پڑھ چکے ہیں۔ ہم نے تو ثمود کو اونٹنی دی تھی۔ آنکھیں کھول دیتی ہیں وہ نشانی لیکن انہوں نے اس کے ساتھ پھر کیا کیا۔ تو مکہ والو تمہیں بھی کوئی نشانی مل گئ تو تم بھی وہی کرو گے جو پچھلوں نے کیا۔ اونٹنی کو مار دیا حضرت صالح کے دشمن ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ سلام کو مٹی سے پرندے بنانے کا اللہ نے حکم دیا۔ قم باذن اللہ کہتے تو وہ کھڑے ہو جاتے تھے۔ کیا ان معجزوں کو دیکھ کر ایمان لے آئے تھے۔ لوگ حضرت عیسیٰ پہ ایمان لائے تھے۔ کوئی نہیں لاتا۔ یاد رکھیں جس کو ماننا ہے وہ مان لیتا ہے۔ جس کو آنا ہے وہ آئے گا جس کو ہدایت کی طلب ہے وہ تو رینگتا ہوا بھی آئے گا۔ تڑپتا ہوا بھی آئے گا۔ اور جس کے اندر ابھی تڑپ ہی نہیں بھوک ہی۔ نہیں وہ حالات دیکھے گا پھر آئے گا موقع محل کے ساتھ بات کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں تمہیں نہ دے کر

عذاب سے بچالیا۔ وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا نہیں بھیجتے نشانیاں صرف مگر ڈرانے کے لئے یعنی نشانیاں صرف ایک ڈراوا ہوتی ہیں نشانی کے عربی میں چھ معنی ہیں یعنی نشانی ایسی ہے جیسے ڈانٹ۔ کیا کوئی ماں باپ خواہش رکھتا ہے کہ اپنے بچے کو مارے نہیں رکھتی۔ اونچی آواز میں بولتے ہیں تو کیا مقصد ہوتا ہے۔ بچہ ڈر جائے غلط کام کرنا چھوڑ دے۔ تو اللہ تعالی ایسی چیزیں کر کرا کے کہتے ہیں تم اپنے آپ کو بچالو قرآن کا مقصد لوگوں کو وارن کرنا ہے۔ یہی بات اگلی آیتوں میں تین مثالوں سے ثابت کی گئی ہے جو لوگ قرآن کی آیتوں کے ساتھ بحث در بحث رویہ رکھیں انکار برائے انکار کا رویہ رکھتے ہیں ۔ پھر اللہ تعالی ان کو معجزے نہیں دکھاتا۔ جیسے آج کے دور میں نہیں آرہے کیونکہ وہ دور ختم ہو گیا ہے۔